التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۵)

اب تک ہم نے جو عرض کیا تھا وہ منطق کی اصطلاح میں بہ طور معارضہ تھا اب نقض کی حیثیت سے ہم اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جو فاضل مؤلف نے کسی کا اپنے آپ کو اکمل سمجھنے کے جواز میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

بات وہی ہے کہ حضرت کی نفس تجدیدی خدمات اتنی کثیر و واضح ہیں کہ جب ہر دوست دشمن معتقد غیر معتقد آنکھ کھول کر بہ طور ایک نفس الامری واقعہ کے دیکھ سکتا ہے تو حضرت خود اس تحدیثِ نعمت سے کیوں کر آنکھ بند فرما لیتے اگر کوئی شخص عربی کی ساری درسیات ختم کرکے عالم ہو گیا ہے یا انگریزی کا ایم۔ اے پاس کر لیا ہے تو عربی وانگریزی سے بالکلیہ جاہل یا میزان خواں اور پرائمر خواں کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ کتابوں کا پڑھا ہوا یا زیادہ مسائل و معلومات کا جاننے والا تو بہر حال بطور واقعہ و نفس الامر کے ضرور جاننے گا۔"[1] (ص ۲۶)

---

[1] مولانا عبدالباری ندوی نے حضرت مولانا تھانوی کی نسبت مذکورۂ بالا عبارت میں اور اسی طرح پوری کتاب میں جگہ جگہ مجدد بلکہ جامع المجددین ہونے کا دعویٰ کرکے جس ایک نئے فتنہ کی بنیاد ڈالی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے جو ملک کے بلند پایہ عالم اور محقق ہونے کے ساتھ خود حضرت تھانوی کے خلیفہ مجاز ہیں اس کو اچھی طرح محسوس (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

جناب مؤلف کا یہ استدلال تمثیل (Analogy) ہے یعنی ایک جزئی واقعہ سے ایک جزئی واقعہ کو ثابت کرنا۔ اور تمثیل سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کی معقولیت کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ دونوں واقعوں میں وجوہِ مشابہت زیادہ سے زیادہ اور وجوہ اختلاف کم سے کم پائے جائیں اب اس قاعدہ کے پیش نظر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ زیر بحث معاملہ میں وجوہ مشابہت کم سے کم ہیں اور وجوہ اختلاف زیادہ سے زیادہ کیونکہ دونوں میں ایک بنیادی اختلاف یہ ہے کہ کمال ایک انتزاعی (Abstract) چیز ہے اور انگریزی میں ایم۔ اے پاس کر لینا یا کتابیں پڑھ کر عالم ہو جانا یہ ایک متعین اور مشخص (Concrete) چیز ہے ایم۔ اے کا باقاعدہ ایک کورس مقرر ہے اس کی تعلیم و تدریس ہوتی ہے۔ اس میں امتحان لیا جاتا ہے امتحان میں کامیابی اور کامیابی کے بھی مختلف مدارج کا اور ناکامی کا ایک متعین معیار ہے اور اس معیار پر جانچ کر نتیجہ کا اعلان ہوتا اور ڈگری دی جاتی ہے اس کے برخلاف کمال صرف ایک موہبت الٰہی ہے اور دنیا میں کہیں کسی کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس کے ذریعہ انسان کے اخلاقی و روحانی کمالات کو ناپ کر ان کی اصل مقدار اور نوعیت و کیفیت کو متعین کیا جائے۔ اس بنا پر ایک شخص ایم۔ اے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کر لیا تھا۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اس کتاب پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں۔

"لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی کو یہ شبہ نہ گزرے کہ اس تحریر یا اس تالیف کا مدعا کسی شخص کی مجددیت کے دعوی کی تشہیر یا منصب تجدید کی دعوت و تلقین ہے بلکہ یہ مؤلف کی عقیدتمندانہ تعبیر ہے کہ وہ حضرت کی اصلاحی مساعی کو تجدیدات کے نام سے یاد کرتے ہیں"

لیکن ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ جناب سید صاحب کی یقین دہانی کے باوجود ہم کو نہ صرف یہ کہ شبہ ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا مقصد "کسی شخص کی مجددیت کے دعوی کی تشہیر اور منصب تجدید کی دعوت و تلقین ہی ہے" ورنہ حضرت تھانوی کو قوم نے حکیم الامت کا خطاب دیا تھا اور عام مروجہ بول چال کے اعتبار سے مولانا بے شبہ اس کے مستحق تھے اگر صرف اسی پر قناعت کی جاتی تو یہ فتنہ پیدا نہیں ہو سکتا قصد در حقیقت اسی فتنہ کا سد باب ہے۔

کا امتحان پاس کر لینے کے بعد یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ ایم۔اے ہے مگر دوسرا شخص نہیں ہے لیکن اکمل سمجھنے کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ جہاں تک نفسِ کمال کا تعلق ہے بے شبہ ایک صاحب کمال یہ سمجھ سکتا ہے کہ مجھ میں یہ کمال ہے دوسرے میں نہیں ہے۔ ایک حسین بدصورت کے مقابلہ میں۔ ایک نیک بد کے مقابلہ میں، ایک عالم جاہل کے مقابلہ میں یہ ضرور جانتا ہے کہ میں حسین ہوں۔ نیک ہوں۔ اور عالم ہوں اور دوسرا ایسا نہیں ہے لیکن ماہرینِ جمالیات کی منتخب کردہ حسینۂ عالم (مس یونیورس) کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ حسین سمجھے۔ اسی طرح بڑے سے بڑے نیک اور عالم کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ نیک اور سب سے بڑا عالم سمجھے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ حسین ہونا۔ عالم ہونا اور نیک ہونا ایک انتزاعی امر ہے اور اس کی مقدار و کیفیت کو ناپنا اور جانچنا ناممکن ہے اسی بنا پر تو حضرت مسیحؑ نے اپنے ایک ارشاد میں سرے سے اپنی ذات سے نیکی کی نفی ہی کردی ہے۔ ایک حواری نے ان کو "اے نیک استاد" کہہ کر پکارا تو ارشاد ہوا " تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک خدا! (لوقا ۱۸ - ۱۹)

علاوہ بریں اس مسئلہ پر ایک اور نقطۂ نظر سے بھی غور کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے کمال کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اسے معرفتِ نفس حاصل ہو اور یہ معرفتِ نفس کبھی کامل طور پر کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی مختلف علوم و فنون کی رو سے اس کی بہت سی دلیلیں ہیں لیکن یہاں گفتگو شرعیات میں ہو رہی ہے اس لئے اس کی دلیل بھی شرعی پیش کرنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ارشاد "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کے مطابق معرفتِ نفس سے معرفتِ رب حاصل ہوتی ہے اور چونکہ ارشادِ گرامی "ما عرفناک حق معرفتک" کے مطابق کسی شخص کو بھی رب کی معرفتِ کاملہ حاصل نہیں ہو سکتی اس بنا پر نتیجہ یہ نکلا کہ کسی شخص کو اپنے نفس کی معرفتِ کاملہ بھی میسر نہیں آسکتی۔ پس جب نفس کی معرفتِ کاملہ ہی کسی کو حاصل نہیں تو پھر نفس کے کمالات اور اس کے ملکات کا علمِ کامل اسے کیونکر ہوگا۔

حیرت ہوتی ہے کہ لائق مؤلف نے محض ایک جذبۂ بے پناہ عقیدت کے زیر اثر کیسی عجیب بات کہہ دی ہے کہ کسی طرح بنائے نہیں بن سکتی۔ بھلا یہاں اکمل سمجھنے کا کیا ذکر ہے! یہاں تو کسی اور چیز کا کیا ذکر خود

اپنی حقیقت ہی نہیں معلوم! کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں؟ اور کہاں جارہے ہیں؟ زندگی کیا ہے؟ اور موت کیا ہے؟ خوشی کسے کہتے ہیں اور غم کی کیا حقیقت ہے؟ وجود کیا ہے اور عدم کیا؟ شہود کس چیز کا نام ہے اور غیوبت کیا ہے! یہ سارا عالم بس ایک طلسمکدۂ حیرانی و بوالعجبی اور یہ تمام کارگاہِ ہست وبود ایک جلوہ زار بوقلمونی و عجوبہ کاری ہی نظر آتا ہے، سب کچھ سوچنے اور سمجھنے کے بعد بھی سقراط کو آخر یہی کہنا پڑا کہ "بس عمر کی محنت اور فکر کے بعد صرف یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہیں معلوم ہوا" اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ فرمایا اس کا حرف حرف حق ہے اور ہمارا ایمان ہے۔ لیکن کسی شے پر ایمان لے آنا اور چیز ہے اور اس کا ادراک اور اس کا علم ایک اور چیز ہے! ہمارا سب سے زیادہ ایمان خدا کے وجود پر ہے لیکن حضرت اکبر الہ آبادی کے بقول اس کا بھی حال یہ ہے کہ

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔۔۔ بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

ایک شیشہ گاہ میں بیٹھ کر " جہاں طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ" آپ شست باندھ رہے ہیں یہ کیسی عجیب بات ہے ع ہنسی آرہی ہے تری سادگی پر!"

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ خیال ہو کہ ایک ذرا سا فقرہ اور اس پر یہ طویل گفتگو! چھوٹی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ تمام گمراہیوں کا سرچشمہ اپنے کو یا کسی کو اکمل سمجھنا ہی ہے اسی سے پہلے پہل شخصیت پرستی پیدا ہوتی ہے اور یہ آگے چل کر اوتار یا دیوتا۔ یا الوہیت کے عقیدہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے جگہ جگہ پیغمبروں کی بشریت پر زور دیا ہے اور ان کی بعض خطاؤں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی انسان کی بے حقیقتی، بے ثباتی اور اس کے نقائص کو بیان کیا ہے۔ تاکہ سوائے خدائے وحدہ لاشریک لہ کے کسی اور کے لئے جذبۂ پرستش پیدا نہ ہو سکے اور مسلمان ان گمراہیوں میں مبتلا نہ ہوں جن میں حضرت عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنے والے ہو گئے تھے آپ اگر جامع المجددین کا مطالعہ کریں جو فاضل مولف نے حضرت تھانوی کی مجددیت کے ثبوت میں لکھی ہیں اور پھر اس بحث کو بھی ذہن میں رکھیں تو صاف معلوم ہو گا کہ جناب مولف کے دل میں وہ ہی جذبہ موجزن ہے ۔۔۔ اس کو ختم نہ کیا جاتے تو آئندہ چل کر نہایت افسوس ناک گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس

بنا پر ہم نے ضروری خیال کیا کہ فتنہ کی اس جڑ کو جہاں تک ہو سکے صاف کر دیا جائے اور اس وجہ سے اس پر گفتگو ذرا طویل ہوگئی۔

حضرت تھانوی کو اکمل" سمجھنے کا یہ اثر تو اس کتاب میں عام طور پر اور جگہ جگہ نمایاں ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ان کی اوصاف شماری میں اس درجہ غلو اور مبالغہ کیا گیا ہے کہ ان کو صحابہ و تابعین کا ہم معنی بنیا سے بھی جا ملایا ہے اور دوسری جانب چونکہ کامل دین اور جامع دین وہ ہی ہے جو مولانا تھانوی کے ارشادات اور قول و عمل سے ظاہر ہوتا ہے اس بنا پر ہر وہ عمل اور فعل جو کہ اس سے مختلف ہو۔ خواہ اصل اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے کتنا ہی صحیح اور درست ہو اسے بھی مردود قرار دیا ہے چنانچہ ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتیں تمام اسلامی ادارے۔ سب علمائے کرام اور مشائخ مولف کی بارگاہ عدالت میں مجرم و خطا کار ہیں ہم آگے چل کر جہاں مجددیت پر گفتگو کریں گے بتائیں گے کہ حضرت تھانوی ارباب عزیمت و دعوت میں سے نہیں تھے بلکہ حضرت شیخ محمد تھانوی اور دوسرے سینکڑوں اکابر مشائخ و علما کی طرح ارباب رخصت میں سے تھے۔ لیکن مؤلف جامع المجددین کی جرأت و جسارت کا یہ عالم ہے کہ محض مولانا تھانوی کو اکمل" مان لینے کی بنا پر علمائے عزیمت اور ارباب جہاد فی سبیل اللہ پر بھی برس پڑے ہیں اور ان میں بھی کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے

جمعیۃ علمائے ہند | جمعیۃ علمائے ہند مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جس کی اسلامی اور دینی خدمات سے اس کے بڑے سے بڑے مخالف کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس جماعت نے مسلمانوں کو جنگ آزادی میں ہندؤں کے دوش بدوش رکھ کر موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سر اونچا رکھنے کا جو سروسامان کیا ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ آج اسلام کی عزت و وقار اور مسلمانوں کی حرمت جان و مال کی حفاظت کے لئے یہ جماعت جس خود اعتمادی کے ساتھ بول سکتی اور بول رہی ہے کسی اور میں یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا لیکن ہمارے فاضل مولف کے غیظ و غضب کا نشانہ بننے سے یہ جماعت بھی نہ بچی اور آپ نے اسے بھی جلی کٹی باتیں کہہ سنائیں حالانکہ جامع المجددین میں جس مقام پر اس کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس کے ذکر کا کوئی موقع ہی نہیں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالباری پہلے سے بھرے بیٹھے تھے اور ذرا موقع ملتے ہی ادنیٰ ملابست سے

اس پر برس پڑے ہیں ذکر اس بات کا تھا کہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور احکام نبوت صرف امورِ معاد (آخرت) کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امورِ معاش کو بھی شامل ہیں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لائق مؤلف اس سلسلہ میں مولانا تھانوی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس میں حدیث تابیر نخل اور ارشاد نبوی "انتم اعلم بامور دنیاکم" کی توجیہ وتاویل کی گئی ہے۔ اور اس کے فوراً بعد اس پر اپنی طرف سے منہیہ یہ چڑھاتے ہیں۔

"سیاسیات میں تو یہ فتنہ آج کل اس قدر بڑھ گیا ہے کہ غیروں کی نقالی میں بہت سے نو تعلیم یافتہ ہی نہیں بعض اچھے اچھے علما تک لادینی (سیکولر) حکومت کا راگ الاپنے لگے ہیں حد یہ کہ جمعیۃ العلمائے ہند جو سارے علمائے ہند کی نمائندگی کی دعویدار ہے اور جو پیدا ہی سیاست وحکومت کے میدان میں ہوئی تھی وہ اب اعلان پر اعلان اس سے اپنی تبری وتوبہ کا کر رہی ہے۔ (ص ۱۳۶)

قبل اس کے کہ اصل مبحث یعنی سیکولر گورنمنٹ کی حمایت (جس کو فاضل مؤلف نے لکھنؤ کے ایک خاص طبقہ کی زبان میں راگ الاپنے سے تعبیر کیا ہے) اور سیاست سے علیحدگی (جس کو لکھنؤ کے ایک خاص محلہ کی بولی میں "تبری وتوبہ" کہا گیا ہے) پر گفتگو کی جائے یہ معلوم کر لیجئے کہ یہ بعض اچھے اچھے علماء کون ہیں؟ اور یہ جمعیۃ علمائے ہند کیا ہے؟ کون نہیں جانتا کہ یہ وہ ہی جاں بکف اور کفن بردوش گروہ ہے جس نے اس وقت جب کہ پشاور سے لے کر راس کماری تک ایک آگ لگی ہوئی تھی جس میں حمایت جھلس رہی تھی۔ اور آدمیت دم توڑ رہی تھی۔ اور جس میں اسلام کی سیزدہ وصد سالہ روایات وآثار کا عظیم الشان ذخیرہ جس کو دانہ دانہ کر کے صوفیا ومشائخ اسلام نے ایک ہزار برس کی محنت میں جمع کیا تھا وہ جل رہا تھا اور اس وقت مولانا عبدالباری ایسے جامع وکامل دین کے علمبردار ومناد اپنے اپنے گھروں میں سہمے اور ڈرے اپنی جان ومال کی خیر منا رہے تھے۔ اس وقت یہی گروہ تھا جو اسلام کا نمائندہ بے خوف وخطر کود پڑا۔ اور اپنی جانوں پر کھیل کر اسلام کی انسانیت وشرافت کی اور کی لاج رکھ لی۔

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہ کن بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پھر جمعیۃ علماء ہند پر کیچڑ اچھالتے وقت جامع و کامل دین کے اس متاعِ اعظم کو اس کی بھی شرم نہ آئی کہ جمعیۃ علماء کا صدر کون ہے؟ اور اس کی رضامندی سے ہی جمعیۃ کے تمام فیصلے ہوتے ہیں جمعیۃ کے اور تمام علماء کو چھوڑ دیجئے صرف ایک حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کی ذات گرامی ایسی ہے جس کی وجہ سے جہاں تک اسلامی دیانت و امانت کا تعلق ہے جمعیۃ پر پورا اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کوئی فیصلہ اسلام کی تعلیمات سے اور احکامِ نبوت سے ہٹ کر محض ہندؤں کی یا انگریزوں کی نقالی میں کیا ہے۔ حضرت مولانا مدنی جہاں ایک بہت بڑے عالم۔ فقیہ۔ محدث اور بلند پایہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ اونچے درجہ کے متقی متورع اور متبع سنت بھی ہیں۔ آپ کے اتباعِ سنت کا یہ عالم ہے کہ جس مجلس نکاح میں شان و شوکت اور فضول خرچی کا مظاہرہ ہو اس میں شریک نہیں ہوتے جس نکاح میں مہر مہرِ فاطمہ سے زیادہ ہو اسے خود نہیں پڑھاتے۔ تقویٰ کا یہ عالم ہے کہ ململ اور لٹھے کے کپڑے پہنے ہوئے دولہا کا نکاح نہیں پڑھاتے یہ تو خود اپنے چشمدید واقعات ہیں۔ اور سنا ہے کہ لٹھے وغیرہ ولایتی کپڑے میں مکفون میت کی نماز بھی نہیں پڑھاتے۔ ترشی ہوئی ڈاڑھی کو بھی برداشت نہیں کرتے انتہائی ضعف اور بیماری کے زمانہ میں بھی معمولاتِ شبانہ ناغہ نہیں کرتے حضرت موصوف کی روحانیت کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ مولوی ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی ایم۔ اے مرحوم و مغفور جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی عزیز ہوتے تھے اور جن کو ان کے جاننے والے جانتے ہیں کہ خود رئیس اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود نہایت صالح۔ نیک اور بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔ انھوں نے راقم الحروف سے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلہ میں مقیم تھے اور میرے ہی مکان پر تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضرت پر کچھ عجیب قسم کا کیف طاری تھا۔ گفتگو میں مولانا سید حسین احمد کا تذکرہ آگیا تو ایک عجیب شانِ جلالی کے ساتھ فرمایا کہ "میاں ظہیر!" کوئی بھلا مولانا سید حسین احمد صاحب کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت کا یہ عالم ہے کہ اگر آج وہ اس سے کام لے کر انگریزوں کو اس ملک سے نکالنا چاہیں تو نکال

سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ عالم اسباب ہے۔ اس لئے خدا کی طرف سے ان لوگوں کو اس بات کی ممانعت ہے کہ وہ اپنی روحانی قوت کا استعمال اس طرح پر کریں!!

اب ذرا سوچئے کہ کیا یہ سب کچھ اسی جذبۂ بت پرستی کا کرشمہ نہیں ہے جو پہلے پہل شخصیت پرستی کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے اور جس کا نتیجہ شروع میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی کسی محبوب ترین ہستی کو اس کے دوسرے ہم عصروں اور ہم جنسوں پر برتری دیتا ہے۔ ان سے افضل و اعلیٰ جانتا ہے۔ پھر اس کا دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر دوسرے طبقے کے لوگوں پر اس کو فضیلت دیتا ہے اس طرح اولیاء پر۔ پھر تابعین پر۔ پھر صحابہ پر۔ پھر پیغمبروں پر پھر فرشتوں پر۔ اور ہوتے ہوتے آخر اس کو خدا سے ملا دیتا ہے۔ اسلام نے اس جذبہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس طرح پھینک دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر صحابہ سے کوئی بات فرماتے اور وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی تو برملا پوچھ لیتے تھے کہ یا رسول اللہ! آپ یہ وحی سے فرما رہے ہیں یا آپ کی اپنی رائے ہے؟ اگر آپ فرماتے کہ یہ میری اپنی رائے ہے تو صحابۂ کرام اس کو سن کر آزادی کے ساتھ اپنی رائے بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں پڑاؤ ڈالنے کے مقام کے انتخاب کے بارہ میں یہی ہوا اور پھر حضور نے اپنی رائے سے رجوع فرما کر صحابہ کی رائے پر عمل فرمایا۔ غور کیجئے! کتنا بڑا فرق ہے۔ وہاں صحابہ کو آزادی ہے کہ پیغمبر برحق کے مقابلہ میں اپنی رائے ظاہر کریں لیکن یہاں یہ حال ہے کہ مولانا سید حسین احمد صاحب اور دوسرے علمائے کرام اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کریں تو ہدف لعن وطعن ہونے سے نہ بچیں۔ اب آئیے اصل موضوع پر گفتگو کریں۔ جناب مولف کو اعتراض یہ ہے کہ جمعیۃ علماء نے سیاسیات سے علیحدگی کا اور سیکولر گورنمنٹ کی حمایت کا اعلان کر کے دین اور سیاست میں فرق کیا ہے اور یہ اسلام اور احکام نبوت کے خلاف ہے کیونکہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

شعبہ پر — اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہئے جو عام طور پر اس جملہ
ب — سے پیدا ہوتی ہے کہ "اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے" مولانا تھانوی عام نو
ے اعتقادی امراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "احکام نبوت کو صرف امور معاد آخرت

کے متعلق سمجھا جاتا ہے اور امورِ معاش میں اپنے کو آزاد و مطلق العنان قرار دیا ہے" مولانا کا یہ فقرہ کبھی صاف نہیں ہے اور اس سے کبھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان امورِ معاش میں آزاد اور مطلق العنان بالکل ہے ہی نہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام دو قسم کے ہیں ایک عبادات اور دوسرے معاملات عبادات کا سر بسر جزو خالص دین ہے اور اس میں عقل کو اور قیاس کو ذرا دخل نہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا ارشاد کہ اگر دین کا دار و مدار قیاس پر ہوتا تو خفین پر مسح کرنا روا نہ ہوتا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اب رہے معاملات تو ان کا حال بالکل عبادات کا سا نہیں ہے ان کا معاملہ یہ ہے کہ اسلام ان کے متعلق اصولی احکام دیتا ہے اور بس! اور ان اصول اور فروعات کے ماتحت تفریعات میں بالکل آزاد و خود مختار چھوڑ دیتا ہے اسی چیز کو آپ اس طرح پر سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں۔ یا جو ارشادات فرمائے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو آپ نے بحیثیت پیغمبر کے فرمائے ہیں۔ زبان وحی سے ارشاد ہوا ہے جو "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحىٰ" کے مصداق ہے اور دوسری قسم ان ارشادات واحکام کی ہے جو آپ نے صرف بحیثیت ایک انسان کے۔ ایک عرب کے۔ ایک سردار قوم کے بیان کئے ہیں۔ پہلے قسم کے ارشادات بلاچون وچرا واجب القبول ہیں اور یہ وہی ارشادات ہیں جن کے متعلق قرآن کا بیان ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا	کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جب
قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ	اللہ اور رسول کسی بات کا حکم کریں تو ان کو ان کے
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ	معاملہ میں اختیار رہے اور جو کوئی شخص اللہ اور اس
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا	کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ سخت گمراہ ہے۔

اب رہے دوسری قسم کے ارشادات تو ان کا اتباع واجب نہیں ہے اور ہر مسلمان کو حق ہے کہ وہ ان میں اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "انتم اعلم بامور دنیاکم" اسی کے ذیل میں آتا ہے۔ ایک ارشاد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا دونوں قسموں کو اس طرح صاف صاف بیان فرمایا ہے۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیئ من رائی فانما انا بشر (صحیح مسلم)

میں آخر ایک انسان ہی ہوں جب تم کو دین کے متعلق کسی بات کا حکم کروں تو اس کو پکڑو۔ لیکن جب اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ خیال رکھو کہ میں آخر ایک انسان ہی ہوں۔

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

انما ظننت ظنا فلا تاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا به فانی لن اکذب علی اللہ (صحیح مسلم باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا الخ)

میں نے صرف ایک گمان سا کیا تھا۔ گمان پر مجھ کو نہ پکڑو۔ البتہ جب میں خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو تم اس کو پکڑو کیونکہ میں خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھتا۔

ان ارشاداتِ نبویہ اور دوسری احادیث و آثار سے یہ کلیہ بطور نتیجہ کے نکلتا ہے کہ امورِ دین و شریعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب اور ضروری الاتباع ہے لیکن معاملات و امورِ معاش و دنیا میں ان اصول اور بنیادی مسلمات کے ماتحت جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں مسلمانوں کو یا مسلمانوں کے اولی الامر کو پوری آزادی ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں۔ اس قسم کی چیزوں میں لباس، طعام۔ بیع و شرا۔ اجارہ و رہن۔ حکومت و سیاست۔ زراعت اور صنعت و حرفت وغیرہ جیسے مسائل داخل ہیں مثلاً لباس کے متعلق اصول یہ ہے کہ مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو کسی قوم کی اندھی تقلید کی وجہ سے ہو اور متکبر و مغرور انسانوں کا لباس نہ ہو۔ بس صرف ان چیزوں کی پابندی کرنی ہوگی۔ لیکن لباس کی وضع قطع کیا ہو۔ تراش خراش کیا ہو۔ کس کپڑے کی قمیص اور کس کپڑے کا پاجامہ ہو۔ اندرون خانہ پہننے کا لباس کیا ہو اور بیرون خانہ پہننے کا کون سا ہو ان مسائل

۱؎ ہر جگہ کے مسلمانوں کو پوری آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں نہ صرف یہ کہ جو چاہیں کریں بلکہ حضرت مجدد الف ثانی نے تو مکتوبات کے حصہ ششم دفتر دوم کے ۳۶ ویں مکتوب میں فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجتہادی معاملات و مسائل میں ایک مجتہد کو صرف اپنی رائے

پر ہی عمل کرنا چاہئے چنانچہ امام ابو یوسف جب خود مرتبۂ اجتہاد کو پہنچ گئے تو پھر ان کے لئے امام ابو حنیفہ کی تقلید خطا ہو گئی امام شافعیؒ کا حال تو یہ ہے کہ صحابی کے قول کو بھی خواہ وہ صدیق ہو یا امیر اپنی رائے پر ترجیح نہیں دیتے۔ اور قول صحابی کے برخلاف اپنی رائے پر عمل کو حق جانتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مجدد امور اجتہادیہ میں صحابہ کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اصحاب کرام در امور اجتہادیہ باآں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام خلاف کردہ اند و برخلاف رائے آں سرور حکم نمودہ باوجود نزول وحی ذم برخلاف ایشاں نیامدہ و بر اختلاف ایشاں منع وارد نگشتہ چنانچہ گذشت اگر ایں اختلاف نامرضی و نامقبول حق بودے از حق جل شانہ البتہ منع آں آمدے و بر اختلاف کنندگان وعید نازل گشتے اھ

(باقی آئندہ)

ندوۃ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

"عرب اور اسلام"

"عرب اور اسلام" پروفیسر فلپ کے حتی کی شہرہ آفاق انگریزی کتاب HISTORY of THE ARABS کے خلاصے A SHORT HISTORY THE ARABS کا نہایت کامیاب اور شاندار ترجمہ ہے اس جامع خلاصے میں پروفیسر حتی نے خاص طور پر ایسے اجزا شامل کئے ہیں جن کے ذریعہ مغرب کو اسلام سے اسلام کے پیغام اور اس کی خدمات سے اور انسانیت پر اس کے احسانات سے روشناس کرایا جا سکتا تھا۔

پروفیسر مذکور نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کے مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صف اول کے مترجم سمجھے جاتے ہیں۔ صفحات ۵۰۰ قیمت ۸ روپے مجلد للعہ